اللَّهُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ
وَرِضْوَانٍ مِنَ الرَّحْمَنِ، وَجِوَارٍ مِنَ الشَّيْطَانِ

شائعة كدة
الغزالي فورم
www.algazali.org
qasmimag@gmail.com

افکار قاسمی اراکین

بدعا

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب

مدیر اعلیٰ

مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

مدیر

مولانا محمد داؤد الرحمن علی صاحب

مدیر معاون

ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب

شعبہ خواتین

محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ

فہرست مضامین

اداریہ
از قلم مدیر
03

درس قرآن
حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم
05

درس حدیث
حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم
07

حمد: میرے دل کی آبیاری ہو گئی
ایم راقم نقشبندی صاحب
09

نعت رسول ﷺ
ایم راقم نقشبندی صاحب
10

حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ
مدیر التحریر کے قلم سے
11

معراج اور شب معراج کی رسومات
مفتی ثناء اللہ خان ڈیروی
14

امت مسلمہ کی خصوصیت
مولانا عبدالمتین لیاری صاحب
20

مشن نبی کریم ﷺ
محمد داؤد الرحمن علی
32

حلال رزق کی برکات
محمد حفص فاروقی
36

غار والوں کی دعا
محمد عبداللہ رحمت
39

اداریہ

مدیر کے قلم سے

زندگی کے شب و روز یوں گزر رہے ہیں جیسے برف آہستہ آہستہ پگھل رہی ہو۔ کل کی ہی تو بات لگتی ہے جب ہم گھن گرج کے ساتھ سال 2025 کا استقبال کر رہے تھے۔ دنیا خوشیوں سے جگمگا رہی تھی، چراغاں تھا، مسکراہٹیں تھیں—اور آج وہ سب لمحے ماضی کی کتاب کا حصہ بن چکے ہیں۔

2025 محض ایک سال نہیں تھا؛ یہ اپنے اندر کئی داستانیں سمیٹ کر رخصت ہوا۔ یہ وہ سال رہا جس میں فلسطین کی پکاریں آسمانوں تک پہنچتی رہیں۔ یہ وہ سال رہا جس میں قبلۂ اول زخمی ہو کر بھی امت کو جھنجھوڑتا رہا۔ یہ وہ سال تھا جس میں ننھے پھول ہماری بے حسی دیکھ کر مٹی میں اترتے رہے۔ یہ وہ سال تھا جس میں انبیاء کی سرزمین کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیا گیا۔

اور پھر بھی۔

یہ وہ سال تھا جس میں قبلۂ اول کے باسیوں کا ایمان پہاڑوں سے بلند نظر آیا۔ وہ سب کچھ لٹا کر بھی مسکراتے رہے؛ اپنی جان، اپنا مال، اپنے خاندان، اپنی اولاد، سب کچھ قربان کر کے بھی راضی رہے۔

انہوں نے ہمیں بتلا دیا کہ ایمان کیا ہوتا ہے، یقین کیا ہوتا ہے، اللہ کی رحمت پر بھروسہ کیسا ہوتا ہے۔ انہوں نے ہمیں دکھایا کہ محبتِ قبلۂ اول کی خاطر کس طرح اپنے لختِ جگر نچھاور کیے جاتے ہیں۔

2025 جاتے جاتے ہمیں یہ سبق بھی دے گیا کہ دنیا کا دستور یہی ہے: جو آتا ہے، وہ ایک دن رخصت ہو جاتا ہے۔ جس طرح اس سال کی آمد پر جشن منایا گیا، اسی طرح تم بھی کبھی خوشیوں کے ساتھ اس دنیا میں آئے تھے۔

اور جس طرح یہ سال ہمیں چھوڑ کر چلا گیا، ایک دن تم بھی رخصت کر دیے جاؤ گے۔

2025 ہمیں یہ احساس دلا رہا ہے کہ میں صرف خود نہیں جا رہا، بلکہ تمہاری زندگی کا ایک قیمتی حصہ ساتھ لیتا جا رہا ہوں۔

جلد وہ دن بھی آئے گا جب لوگ تمہیں بھی بھول جائیں گے، تمہاری چیزیں کوئی اور استعمال کرے گا، اور تمہیں اپنے رب کے حضور جواب دہ ہونا ہو گا۔

اب بھی وقت ہے، سنبھل جاؤ۔ رب کی طرف لوٹ آؤ، اس کو پکارو، اس کی اطاعت کو اپنا لو۔ ورنہ پھر ہاتھ ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ

2025 میں کی گئی تمام نیکیاں، عبادات اور صدقات اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور ہمیں 2026 کو 2025 سے بھی زیادہ بہتر، بابرکت اور نیکیوں سے بھرپور گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اشہرِ حُرم (ماہِ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم) میں
گُناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کریں!
ارشاد باری تعالیٰ ہے:
"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد 12 مہینے ہے جو اللہ کی کتاب (لوحِ محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آرہی ہے جس دن اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (12 مہینوں) میں 4 مہینے (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) واجب الاحترام ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہٰذا ان مہینوں کے معاملے میں (باہم جنگ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔" (القرآن, سورة التوبة: 36)
"تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال و عذاب بھی زیادہ ہے، سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔" (معارف القرآن از مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ)

درس قرآن

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

ترغیبات:۔

ترغیب اوّل:

ومن الناس من یعجبک قولہٗ فی الحیٰوۃ الدنیا... (آیۃ:۲۰۳)

کچھ لوگ اندر کے کھوٹے بظاہر فصاحت و بلاغت اور چرب لسانی سے بھلے معلوم ہوتے ہیں اور حقیقت میں مفسد، فتنہ انگیز، کھیتوں اور نسلوں کو تباہ کرنے والے ہوتے ہیں، جیسا کہ اخنس۔ان کے شر سے نہ عزت محفوظ رہتی ہے نہ مال و جان، ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرو تاکہ ان کا قلع قمع ہو جائے اور معاشرے میں امن و سکون ہو۔

ترغیب ثانی:

ومن الناس من یشری نفسہٗ ابتغآء مرضات اللّٰہ... (آیۃ:۲۰۷)

جہاد کے ذریعہ رضائے خداوندی حاصل ہوتی ہے جو کہ اصل مقصدِ مسلم ہے۔

ترغیب ثالث:

یاایھاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کآفّۃً... (آیۃ:۲۰۸)

تمام احکام اسلام پر عمل کرنے کا حکم ہے، جہاد بھی ایک حکم ہے اس پر بھی عمل کرو۔

ترغیب رابع:

فان زللتم من بعد جاءتکم البیّنات... (آیۃ:۲۰۹)

اگر جہاد چھوڑ دو گے تو عذاب آجائے گا، عذاب سے بچنے کے لئے جہاد ضروری ہے۔

ترغیب خامس:

زین للذین کفروا الحیٰوۃ الدنیا ویسخرون من الذین اٰمنوا۔(آیۃ:۲۱۲)

دولت کے نشہ میں مست ہو کر کفار اسلام اور اسلام والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اس واسطے ان کے ساتھ جہاد کرو، تائید...

"ان الذین اجرموا کانوا من الذین اٰمنوا یضحکون۔ واذا مرّوا بھم یتغامزون۔(مطففین)

ترغیب سادس:

وما اختلف فیہ اِلّا الذین اُوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات... (آیۃ:۲۱۳)

جن لوگوں نے فطری دین اور توحید میں اختلاف پیدا کر رکھا ہے، ان سے جہاد کرو تاکہ انہیں دین میں اختلاف پیدا کر کے امت کو متفرق کرنے کا موقع نہ ملے۔

ترغیب سابع:

اَم حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولمّا یأتکم مثل الذین... (آیۃ:۲۱۴)

جنت میں جانا آسان نہیں، حصولِ جنت کے لئے جہاد کر کے مال و جان کی قربانی دینا ہو گی۔

درس حدیث

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اِحْمَرَّتْ وَجْنَتَاہُ اَوِ احْمَرَّ وَجْھُہٗ وَقَالَ مَالَکَ وَلَھَا مَعَھَا حِذَاءُ ھَا وَسِقَاءُ ھَا حَتّٰی یَاْتِیَھَا رَبُّھَا۔ (۲۴۶/۱)

آپ علیہ السلام اس کے اس سوال پر ناراض ہوئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا تجھے اسے لینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا جوتا اور مشک اس کے پاس ہے (وہ ضائع نہیں ہوتا) یہاں تک کہ اس کا مالک (ڈھونڈھ کر) لے جائیگا۔

آدمی کو اللہ تعالیٰ نے عقل اس واسطے دیا ہے تاکہ اس سے سوچے اور نتیجہ پر پہنچے نہ کہ بغیر سوچے دھڑا دھڑ سوال کرتا جائے دوسرے کا وقت بھی ضائع کرے اور اپنی خداداد نعمت کو بے کار اور معطل کر چھوڑے غالباً اسی واسطے آپؐ ناراض ہوئے اگر یہ شخص ذرا سوچتا تو اسے سوال کرنے کی نوبت نہ آتی جیسا کہ آپ نے جواب میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے اس طرح ناراضگی کا اظہار کر کے آپ نے جواب دیا آئندہ کے لئے اسے سبق حاصل ہو گیا پہلے خود سوچے گا جس سے عقل میں جِلا پیدا ہو گی اور سوال کی ذلت سے بھی بچے گا دوسرے کا وقت بھی خواہ مخواہ ضائع نہیں ہو گا۔

(۱۴) عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ لَیْلًا وَقَدْ تَشَقَّقَتْ یَدَایَ فَخَلَّقُوْنِیْ بِزَعْفَرَانٍ فَغَدَوْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ وَلَمْ یُرَحِّبْ بِیْ وَقَالَ اِذْھَبْ فَاغْسِلْ ھٰذَا عَنْکَ فَذَھَبْتُ فَغَسَلْتُہٗ ثُمَّ جِئْتُ وَقَدْ بَقِیَ عَلَیَّ مِنْہُ رَدْعٌ

فَسَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَلَمْ يُرَحِّبْ بِيْ وَقَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ فَذَهَبْتُ فَغَسَلْتُهٗ ثُمَّ جِئْتُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ وَرَحَّبَ بِيْ وَقَالَ اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَحْضُرُ جَنَازَةَ الْكَافِرِ بِخَيْرٍ وَلَا الْمُتَضَمِّخِ بِالزَّعْفَرَانِ وَلَا الْجُنُبِ وَرَخَّصَ لِلْجُنُبِ اِذَا نَامَ اَوْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ اَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (۲۲۲/۲)

حضرت عمار ص فرماتے ہیں میں اپنے گھر رات کے وقت آیا جب کہ میرے دونوں ہاتھ (سردی یا کسی وجہ سے) پھٹے ہوئے تھے تو گھر والوں نے ان دراڑوں کے اندر (علاج کی غرض سے) زعفران بھر دیا۔ سویرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا۔ تو آپ نے نہ میرے سلام کا جواب دیا نہ مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا جاؤ اسے دھو کر آؤ۔ میں چلا گیا اسے دھویا پھر آپؐ کے پاس حاضر ہوا جبکہ زعفران کا کچھ رنگ باقی تھا۔ میں نے سلام پیش کیا تو آپؐ نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مرحبا کہا اور فرمایا جاؤ اسے دھو کر آؤ، میں گیا اور دھو کر آیا آکر سلام پیش کیا تو آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا اور فرمایا فرشتے کافر کے جنازہ پر خیر لے کر نہیں آتے اور نہ زعفران کے ساتھ رنگین ہونے والے اور جنبی کے پاس (رحمت) لے کر آتے ہیں اور آپؐ نے جنبی کو اس کی رخصت دی کہ وہ وضو کر کے کھا پی اور سو سکتا ہے۔

ہاتھوں پاؤں کا زعفران یا مہندی وغیرہ سے رنگنا مردوں کے لئے حرام یا مکروہ ہے حضرت عمار نے اگرچہ بیماری کے علاج کے طور پر زعفران لگایا آپؐ نے جب رنگ دیکھا تو ناراضگی کا اظہار کیا سلام کا جواب تک نہ دیا نہ ان کے آنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا اس میں معصیت اور نفرت کا اظہار بھی ہے اور تعلیم کا موثر طریقہ بھی ہے آئندہ کے لئے تنبیہ بھی ہے کیونکہ کسی معصیت میں مبتلا شخص سے تعلق منقطع کر دیا جائے اس سے معصیت کو ترک کرنے کی کافی امید بھی ہے اور شریعت کا حکم بھی ہے اور خود گناہوں کی نحوست سے بچنے کی تدبیر بھی ہے جب سے امت نے اس اصول کو چھوڑا ہے گناہوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گناہوں کی نفرت نہیں رہی بلکہ گناہوں کے جواز کے لئے لوگ اجتہاد کی راہیں ڈھونڈھنے لگے ہیں۔ سود، شراب، زنا، وغیرہ کے نام بدل کر کھلے بندوں استعمال کئے جاتے ہیں بلکہ جواز کے لئے مختلف ناموں سے اسمبلیوں میں بل پیش کر کے قانونی جواز ڈھونڈھا جا رہا ہے علماء پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ اجتہاد کر کے جواز کا فتویٰ دیں جو کہ ممکن نہیں۔

حمد باری تعالیٰ

ایم راقم نقشبندی

پھولوں میں گلزاروں میں
رنگ برنگ نظاروں میں
شمس و قمر اور تاروں میں
صبح و مسا کی بہاروں میں
غاروں میں کہساروں میں
دریاؤں کی قطاروں میں
چڑیوں کی چہکاروں میں
خلقت کے نظّاروں میں
اَحَد صَمَد ہے ذکر ترا
یکتائی میں تو ہی تو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

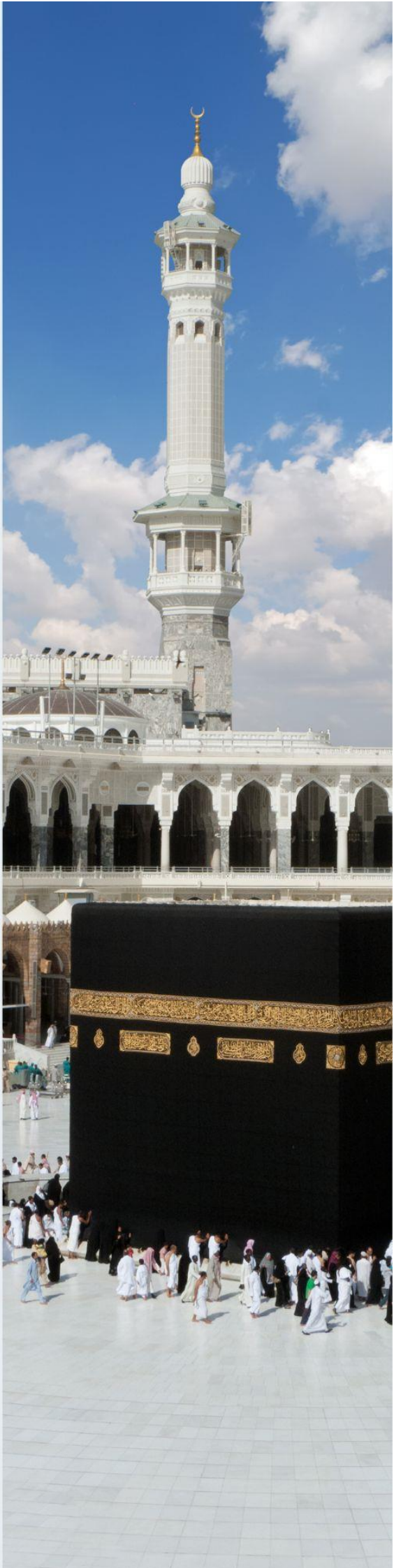

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایم راقم نقشبندی

حسنِ سرکار پہ اُترا ہوا قرآں دیکھیں
یعنی خود مدح سرا شاہ کا یزداں دیکھیں

کہتے ہوں گے کھڑے سدرا پہ یوں جبریلِ امیں
جایئے جانبِ جاناں رخِ جاناں دیکھیں

ہم انھیں رو کے دیکھائیں تو وہ چپ کروائیں
رات ایسی ہو کوئی جس میں یہ سُپناں دیکھیں

اپنے در پر ہمیں بلوایئے پیارے آقا
حسرتِ دید ہے ہم زیست کا ساماں دیکھیں

اپنے قدموں میں بٹھا کر وہ سنیں نعت اپنی
اور ہم ان کی نگہ، دامنِ مژگاں دیکھیں

مدحتِ سیدِ ابرار مرے بس میں کہاں
جو لکھا فیضِ کریمی ہے نمایاں دیکھیں

زائرینِ شہِ بطحا سے کہا یوں، راقم
کہنا آقا سے، ہیں کچھ حالِ پریشاں دیکھیں

حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ

محمد داؤد الرحمن علی

حضرتِ اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ 1344ھ/1926ء میں گمتھلہ ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ آپؒ حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے نورِ نظر اور سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے عظیم وارث تھے۔ بچپن ہی میں والدہ کے انتقال کے بعد آپؒ کا دامنِ تربیت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ جیسے کامل شیخ کے ہاتھوں میں آگیا، جس نے زندگی کا رخ ہمیشہ کے لیے علم، عمل اور سلوک کی روشنی کی طرف موڑ دیا۔

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم خانقاہِ رحیمیہ رائے پور کے مکتب میں ہوئی اور قرآنِ کریم کی تکمیل "مدرسہ فیض ہدایت" رائے پور میں ہوئی۔ فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں سکروڈھ میں پڑھیں، جبکہ درسِ نظامی میں بڑی تعداد میں اساتذۂ کبار سے فیض پایا۔

آخری دو سال مظاہر العلوم سہارن پور میں گزارے جہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سمیت اکابر اساتذہ سے بخاری، مسلم، ترمذی، طحاوی اور دیگر کتب پڑھیں۔ 1949ء میں باقاعدہ فراغت حاصل کی۔

سلوک و طریقت

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپؒ کو خصوصی تربیت کے بعد مختصر مدت میں سلوک کی تکمیل کروائی اور 1369ھ/1950ء میں اجازت و خلافت سے نوازا۔ بعد ازاں آپؒ سلسلۂ رحیمیہ کے عظیم ترین حاملین میں شمار ہوئے۔

پاکستان ہجرت اور دینی جدوجہد

1950ء میں پاکستان تشریف لائے اور والدِ گرامی کے زیر سایہ سرگودھا میں قیام فرمایا۔ نوجوانوں میں دینی شعور پیدا کرنے اور تحریکِ ولی اللّٰہی کے احیا کے لیے زندگی بھر جدوجہد کی۔ 1950ء تا 1967ء خانقاہی تربیت اور نوجوانوں میں دینی بیداری کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ کے وصال (1962ء) کے بعد والد محترم کی سرپرستی میں سلسلۂ رائے پور کو مضبوطی سے آگے بڑھایا۔

تنظیمی و تحریکی خدمات

1967ء: ''جمعیت طلبائے اسلام'' کی بنیاد رکھی۔ 1974ء: تحریکِ ختمِ نبوت میں نوجوانوں کی رہنمائی و سرپرستی۔ 1987ء: ''تنظیم فکر ولی اللّٰہی'' کے قیام کے ذریعے فکرِ شاہ ولی اللہ کا احیا۔ 1990ء: ''شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن'' کی بنیاد۔ 2001ء: لاہور میں ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ'' کا قیام، جو آپؒ کی زندگی کا عظیم ترین علمی و تربیتی کارنامہ ہے۔

تعلیم و تدریس، اسفار اور امامت

63 برس 1947ء سے 2008ء تک آپؒ نے سلسلۂ رحیمیہ کی خانقاہوں میں امامت کا سلسلہ جاری رکھا۔

پاکستان و ہندوستان میں ہزاروں میل کے اسفار کیے، نوجوانوں، علما اور متعلقین کی تربیت کی، متعدد حج ادا کیے، اور خلفا و متوسلین کی وسیع جماعت تیار کی۔ 30 سے زائد افراد کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔

وصال

9 ستمبر 2012ء کو دوسری مرتبہ عارضۂ قلب لاحق ہوا اور 26 ستمبر 2012ء (8 ذی القعدہ 1433ھ) بروز بدھ صبح 9:35 پر تقریباً نوّے برس کی عمر میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔

آپؒ نے علم، عرفان، خیر، دعوت، حکمت اور روحانی تربیت کی ایسی سنہری روایت چھوڑی جس کی روشنی آج بھی ہزاروں دلوں کو منور کر رہی ہے۔

واقعہ معراج اور شب معراج کی بعض رسوم اور بدعات

مفتی ثناءاللہ خان ڈیروی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں آگے بڑھا تو ندا دینے والے نے ندا دی میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف بھی کر دی۔(الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب المعراج، رقم الحدیث:3628)

باقی اس روایت میں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، اس روایت میں مسجد حرام سے آسمان دنیا پر براق کے ذریعے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ تفصیلی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کو حلقہ سے باندھ دیا، بیت المقدس کے مشاغل جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھانا اور ان سے ملاقات وغیرہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف صعود فرمایا اور یہ عین ممکن ہے کہ سیڑھی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے ہوں۔ جیسا کہ روایات میں بھی مذکور ہے اور براق بدستور مسجد اقصی کے دروازے پر بندھا رہا ہو۔ (فتح الباری:260/7، وعمدۃ القاری:3/17، وارشاد الساری:357/8)

سوال: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن انبیائے کرام علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کرائی گئی وہ جسم وروح کے ساتھ وہاں موجود تھے یا ان کی موجودگی محض روحانی تھی؟

اور اگر جسم وروح کے ساتھ وہاں موجود تھے تو پھر اشکال لازم آتا ہے کہ ان کے اجسام تو قبروں میں ہیں، آسمانوں میں ان کی موجودگی کیسے تھی؟

جواب...اس سلسلہ میں علماء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان انبیائے کرام کے اجسام اصلیہ تو قبروں ہی میں رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ کے ساتھ متمثل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے جمع کیا، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جسم اصلی کے ساتھ دیکھا، کیوں کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔

اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کو جسم اصلی کے ساتھ دیکھا، وہ بھی آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے، اس قول کی تائید ''بیہقی'' کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے **"ثم أتى أرواح الأنبياء، فأثنوا على ربهم... إلخ**

''بیہقی'' کی اس روایت میں ارواح کی تصریح ہے۔

دلائل النبوة للبيهقي، باب الدليل على أن النبي صلى الله عليه وسلم عرج به إلى السماء فرأى جبرئيل في صورته عند سدرة المنتهى: 400/2.

یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام کے لیے ان انبیائے کرام کو مع اجسام عنصریہ کے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں میں جمع کیا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو ان کے اجسام اصلیہ کے ساتھ دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کچھ محال نہیں کہ ایک شب کے لیے ان انبیاء کرام کے اجسام عنصریہ ان کی قبروں سے بیت المقدس اور پھر آسمانوں پر جمع کیے گئے اور پھر ان کو ان کی قبروں میں واپس کر دیا گیا۔ (فتح الباری: 263/7، وعمدۃ القاری: 34/17، وارشاد الساری: 358/8، ومرقاۃ المفاتیح: 555/10، وشرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ: 152/8)

اور اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں ہے ''فنشر لی الانبیاء من سمی اللہ تعالیٰ ومن لم یسم.'' کہ میرے لیے انبیاء کو اٹھایا گیا، ان کو بھی جن کے نام حق تعالیٰ نے ذکر کیے ہیں اور ان کو بھی جن کے نام ذکر نہیں کیے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس قول کو ہمارے بعض شیوخ نے اختیار کیا ہے۔ (شرح الزرقانی: 152/8)

معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف آسمانوں پر انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، کس آسمان پر کس نبی سے ملاقات ہوئی اس ترتیب کو یاد رکھنے کے لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے ایک جملہ بنایا ہے: ''أعیاھم''

''الف'' سے آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے ''عین'' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ''ی'' سے یوسف علیہ السلام، پھر ''الف'' سے حضرت ادریس علیہ السلام، ''ھ'' سے حضرت ہارون علیہ السلام اور ''میم'' سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اور چوں کہ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہونا بہت مشہور ہے، اس لیے اس کے لیے کسی حرف کا اضافہ نہیں کیا۔

سدرۃ المنتہیٰ:

سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے، جو چیز زمین سے جاتی ہے سدرۃ المنتہیٰ پر رک جاتی ہے اور وہاں سے اسے لے لیا جاتا ہے اور عرش سے اترنے والی چیز بھی سدرۃ المنتہیٰ پر رک جاتی ہے اور وہاں سے اسے وصول کر لیا جاتا ہے، گویا یہ وہ مقام ہے جس سے آگے فرشتے بھی نہیں جا سکتے، یہ سعادت صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے بھی آگے تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی اس مقام سے آگے نہیں گیا۔(عمدۃ القاری:37/17، فتح الباری:267/7، المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، کتاب الإیمان:394/1)

سدرۃ المنتہیٰ اتنا بڑا درخت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس درخت کی شاخوں کے سائے میں کوئی تیز رفتار سوار سو سال تک چلتا رہے (اس کا سایہ ختم نہ ہوگا)۔(سنن الترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی صفۃ ثمار الجنۃ، رقم:2541)

معراج پر ملحدین کی طرف سے اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض: ملاحدہ کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جسم رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ سے بیت المقدس اور پھر بیت المقدس سے سبع سمٰوات کی سیر کر کے آجائے؟

جواب: اس کا جواب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے، فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ اس میں استحالے کی کیا بات ہے؟ ہاں! استبعاد ہو سکتا ہے، سو وہ بھی بطور الزام کے اس طرح مدفوع ہے کہ تمہارے نزدیک زمانہ حرکت فلک الأفلاک کا نام ہے، چناں چہ رات دن کا آنا، طلوع و غروب ہونا یہ سب حرکت فلک سے مرتبط ہے، اگر حرکت فلک موقوف ہو جائے تو جو وقت موجود ہو گا وہی رہے گا، رات موجود ہو گی تو رات رہے گی اور دن موجود ہو گا تو دن رہے گا تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات حرکت فلک کو تھوڑی دیر کے لیے موقوف کر دیا ہو اور اس میں کچھ تعجب نہیں، معزز مہمان کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے دنیا میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ کی سواری نکلتی ہے تو سڑک پر دوسروں کا چلنا بند کر دیا جاتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اگر آسمان اور چاند سورج سب کی حرکت کو اس رات کچھ دیر کے لیے بند کر دیا ہو کہ جو چیز جہاں ہے وہیں رہے، پس آفتاب جس جگہ تھا، اسی جگہ رہا اور ستارے جہاں تھے وہیں رہے، کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلنے نہ پایا، اس میں کیا استبعاد ہے؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے فارغ ہو گئے تو پھر فلک کو حرکت کی اجازت ہو گئی تو اب ظاہر ہے کہ حرکت فلک جس جگہ سے موقوف ہوئی تھی وہیں سے شروع ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر میں چاہے کتنا ہی وقت صرف ہوا ہو، مگر دنیا والوں کے اعتبار سے سارا قصہ ایک ہی رات میں ہوا، کیوں کہ حرکت اس وقت موقوف ہو چکی تھی۔(اشرف الجواب لحکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانوی، ص:574، 575)

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تابع دار بن کر آرہی تھی، تو سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے ہی میرے پاس لے آئے؟

قَالَ الَّذِی عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ . (سورۃ النمل، آیت:40)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا میں آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔

جب پلک جھپکنے میں تخت کا اتنی مسافت یمن سے شام پہنچنا ممکن ہے تو اس تیز رفتاری کا حصول تمام اجسام میں ممکن ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تیز رفتاری معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک میں رکھ دی ہو اور آپ اتنے مختصر وقت میں سبع سموات کی سیر کرکے واپس آگئے۔(سبل الھدی والرشاد، الباب السادس: 108/3)

شب معراج کے اعمال مروجہ

''فتاوی محمودیہ'' میں شب معراج میں کیے جانے والے رسوم ورواج سے متعلق سوال وجواب ہے۔

سوال: یہاں افریقا میں یہ التزام ورواج ہے کہ شب معراج میں عشاء کے وقت خصوصی اعلان ودعوت کے ساتھ لوگوں کو جمع کرکے وعظ، شیرینی اور نماز نوافل کا اہتمام کیا جاتا ہے، آیا شریعت میں اس قسم کا التزام واہتمام کہیں مشروع ہے اور اس التزام کا نہ ماننے والا گنہگار ہوگا؟

اس شب میں علاوہ فرض وقت کے آیا کوئی دوسری عبادت فرض، واجب سنت یا نفل مشروع ہے؟

یہاں بیشتر مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد نہیں ہیں، وہاں نماز اپنے گھروں میں فرداً فرداً یا نماز باجماعت ادا کرلیا کرتے ہیں...، ایک خاص جگہ تجویز کرکے شب معراج میں اعلان عام اور دعوت ناموں کے ذریعے لوگوں کو جمع کرکے اس مخصوص مقام پر وعظ، شیرینی اور نوافل کا التزام واہتمام کرنا کیسے مشروع ہے؟ جو شخص ان مراسم کو روکے، اسے برا بھلا اور کافر وفاسق کہنا کیسا ہے؟

جواب: یہ التزام واہتمام بے دلیل، بدعت، خلاف شرع ہے، جو اس التزام کو نہ مانے وہ گناہ گار نہیں بلکہ اس کو روکنے والا ماجور ہے۔

اس شب میں خصوصیت سے کوئی نماز علاوہ روزانہ کی نماز کے مسنون ومشروع نہیں۔

نفس وعظ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے جمع کرنا درست ہے اور اس شب کو اس کے لیے مخصوص کرنا بے دلیل ہے، اسی طرح شیرینی کا اہتمام بے اصل ہے، اس شب کے لیے نوافل کا خصوصی اہتمام کہیں ثابت نہیں، نہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام نے، نہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے کیا، علامہ حلبی، ابن نجیم، علامہ طحطاوی رحمہم اللہ نے اس رواج پر نکیر فرمائی ہے اور اسکے متعلق جو فضائل نقل کرتے ہیں ان کو رد کیا ہے۔(فتاوی محمودیہ: 285/3-284)

چناں چہ ''البحر الرائق'' میں ہے:

ومن هنا یعلم کراهة الاجتماع علی صلوٰة الرغائب التی تفعل فی رجب فی أول لیلة منه، وإنها بدعة . (البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: 93/2، وکذا فی مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰة، فصل فی تحیة المسجد، ص: 402، وکذا فی غنیة المستملی، ص: 432)

فضائل رجب کی احادیث کا حکم

''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

سوال: شب معراج کی بے داری کے بارے میں فضائل احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں یا نہیں؟ اس رات اہتمام سے شب بے داری کرنا کیسا ہے؟

نیز اس بارے میں یہ احادیث نقل کی جاتی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ کہ ''جو کوئی پاوے مہینہ رجب کا اور اس کی پندرھویں اور آخری تاریخ میں غسل کرے گا تو گویا کہ اس نے گناہوں سے پاکی ایسی حاصل کی ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اس مہینہ کی پانچ راتیں افضل ہیں واسطے عبادت کے، ایک تو اوّل اور ایک اوسط اور تین اخیر کی...الخ

جواب: آخر شب میں بے دار ہو کر نماز پڑھنے اور دعا کرنے کی فضیلت احادیث صحیح سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اور صالحین کا شیوہ و طریقہ بھی ہے، شب معراج میں خصوصیت سے بے دار رہنے کے متعلق احادیث صحاح میں کوئی روایت میرے علم میں نہیں، ماہ رجب کی مخصوص تاریخوں میں غسل کی جو فضیلت سوال میں درج ہے یہ اصول کے اعتبار سے موضوع ہے، باطل ہے، ہر گز یہ اعتقاد نہ رکھا جائے، ستائیسویں تاریخ کا روزہ سو برس کے روزہ کے برابر ہونے کی بھی حدیث صحیح نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: 54-53)

اسی طریقے سے یہ جو رجب المرجب کا مہینہ ہے اس میں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا اور وہ واقعہ ہے سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا اور آپ کے انتقال کا اور یہ واقعہ ہے 22 رجب المرجب کا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال 22 رجب المرجب کو ہوا۔ (سیر أعلام النبلاء، معاویہ بن أبی سفیان، رقم الترجمہ: 3، 140/25)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابو سفیان کے بیٹے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ، بہن، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء، أم حبیبة أم المومنین، رقم الترجمہ: 2، 218/23) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ اسلام لائے ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہیں، فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا ہے، غزوہ طائف ہوا ہے، ان غزوات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شریک رہے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور پھر وہیں قیام فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفات، خصوصیات اور خوبیوں کو پیش نظر رکھ کر آپ کو کاتب وحی مقرر فرمایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس جماعت میں شامل ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کتابت وحی کے لیے مقرر فرمایا اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو جنگیں ہوئی ہیں اور بہت اہم قسم کے معاملات ہوئے ہیں جس میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ تھا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طاقت اور قوت کے ساتھ کھڑے رہے، اسی طریقے سے نبوت کے دعوے دار جو اس زمانے میں پیدا ہوئے ان کے خلاف جو جنگیں حضرت صدیق اکبر نے فرمائیں ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شریک رہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور اس زمانے میں جو جنگیں ہوئی ہیں ان تمام کے اندر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شریک رہے۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام جنگوں میں شریک رہے اور پھر جو بہت عجیب بات ہے جس کا عام طور سے ذکر نہیں کیا جاتا، وہ یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آج کا یہ جو یورپ ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام کے زیر نگین آیا، اسلام کو اس یورپ کے اندر فتوحات حاصل ہوئیں اور اسلام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس خطے کے اندر گیا اور رومیوں کو شکستوں پہ شکستیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئیں اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ چناں چہ وہ جو ایک سازش ہے، جو یہودیوں کی سازش ہے، جو نصرانیوں کی سازش ہے جو اسلام کے خلاف سازش ہے، اس سازش کے نتیجے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا، اور وہ پروپیگنڈا اتنا خوف ناک ہے کہ بعض مسلمان بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدزبانی کرتے ہیں اور بے ادبی کرتے ہیں، جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریبی رشتہ دار ہیں کہ ان کی بہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کے اندر ہیں، آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ان کو کاتب وحی قرار دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ اسلام ہیں اور انہوں نے اسلام کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ اسلام کا ایک نہایت زرّیں باب ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سیر أعلام النبلاء، معاویہ بن ابی سفیان، رقم الترجمہ: 3، 119/25)

لیکن وہ جو پروپیگنڈا ہے اس کے نتیجے میں کیا ہوتا ہے؟ ہمارے مسلمان بائیس رجب کو جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن ہے، وفات کا دن ہے، اس دن کونڈے بناتے ہیں، رجب کے کونڈے، کونڈے کیا ہوتے ہیں؟ کہ حلوہ بنایا جاتا ہے، پوریاں بنائی جاتی ہیں اور یہ جو آپ نے دودھ دہی والی دکان پر دیکھا ہوگا کہ دہی کا کونڈا (تھال) ہوتا ہے اس کے اندر وہ حلوے اور پوریاں رکھ کر خود بھی کھائی جاتی ہیں اور دائیں بائیں اس کو تقسیم بھی کیا جاتا ہے۔

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن کیا جاتا ہے اور اس طرح دشمن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی مناتا ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے ہاں شیعہ اور روافض کے امام باڑوں کے اوپر باقاعدہ چراغاں کیا جاتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوشی مناتے ہوئے۔

”فتاوی محمودیہ“میں ہے:

سوال:22/رجب کو بعض جگہ کونڈا کرنے کا بڑا رواج ہے،اس میں جو جو رسمیں کی جاتی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟کونڈے کی اصلیت کیا ہے؟

کیا مسلمانان اہل سنت کو یہ رسم کرنی چاہیے؟

جواب: کونڈوں کی مروجہ رسم مذہب اہل سنت والجماعت میں محض بے اصل، خلاف شرع اور بدعت ممنوعہ ہے کیوں کہ بائیس رجب نہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ہے او رنہ تاریخ وفات، حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت 8/رمضان 80ھ یا 83ھ میں ہوئی اور وفات شوال 148ھ میں ہوئی، پھر بائیس رجب کی تخصیص کیا ہے اور اس تاریخ کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے کیا خاص مناسبت ہے؟ہاں! بائیسویں رجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔(تاریخ الطبری،سنۃ ستین وفاۃ معاویۃ بن أبی سفیان رضی اللہ عنہما 9/4)۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا، ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے، جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا ،اس لیے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی بطور حصہ اعلانیہ نہ تقسیم کی جائے، تاکہ راز فاش نہ ہو، بلکہ دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جاکر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی ومسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں، جب کچھ اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرکے یہ تہمت ان پر لگائی کہ انہوں نے خود خاص اس تاریخ میں اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے، حالاں کہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں لہٰذا برادران اہل سنت کو اس رسم سے بہت دور رہنا چاہیے، نہ خود اس رسم کو بجالائیں اور نہ اس میں شرکت کریں۔(فتاوی محمودیہ:3/282-281)

میرے دوستو! یہ اسلام اور سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری نہیں ہے، بلکہ خیانت ہے۔

ہمیں توبہ کرنی چاہیے، ہمیں استغفار کرنا چاہیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے جو احسانات امت پر ہیں ان احسانات کا اللہ کی بارگاہ میں شکر ادا کرنا چاہیے اور ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حرمت، ان کی عزت، ان کی ناموس کی حفاظت کے لیے جو کوشش ہم کرسکتے ہیں کریں اور اس طرح کے پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں۔

امت مسلمہ کی خصوصیت

اعتدال اور میانہ روی

مولانا عبدالمتین صاحب

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (سورۃ البقرہ:143)

اور (مسلمانوں!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔

یہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے جس میں اللہ ربّ العزت امت محمدیہ ﷺ کے حوالے سے ایک خاص بات بیان فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کے مذکورہ مضمون کے سیاق سباق میں امت مسلمہ کے حوالے سے باتیں ذکر ہوئی ہیں:

1۔امت کے افراد یعنی امت مسلمہ۔2امت کا مرکز یعنی بیت اللہ۔3امت کے نبی یعنی نبی کریم ﷺ

امت مسلمہ کی خصوصیت

اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں کہ

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا"

"اور (مسلمانوں!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے"

اللہ ربّ العزت اس آیتِ کریمہ میں امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے ایک خاص اصطلاح ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں "امتِ وسط" بنایاہے۔ عربی میں "وسط" درمیانہ پن، اعتدال، میانہ روی اور بیچ کے راستے کو کہتے ہیں۔

اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ جو چیز درمیان میں ہوتی ہے وہ زیادہ اچھی لگتی ہے اور زیادہ آویزاں ہوتی ہے اور اسی طرح کسی مجلس میں اسٹیج جب بنتاہے تو بالکل بیچ میں بنتاہے اور صدرِ مجلس کی کرسی بلکل اسٹیج کے بیچ میں لگائی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس مجلس میں سب سے معزز ہیں تو اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں کہ تمہاری بھی خصوصیت ایسی ہی ہے کہ تم افراط تفریط کا شکار نہیں ہو، نہ تم حد سے آگے بڑھنے والے ہو اور نہ حد سے گرنے والے ہو اس لیے کہ ہم نے تمہیں ایک معتدل اور درمیانی امت بنایا جو اعتدال پر اور انصاف پر قائم رہنے والی ہے تاکہ روزِ محشر تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور حضور ﷺ تم پر گواہ بن سکیں۔

لہذا تمہاری سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تم امتِ معتدل اور امت وسط ہو اور درمیانے پن کے ساتھ رہنا جانتے ہو اور تمہیں اعتدال اور انصاف کرنا آتا ہے۔

روزِ محشر امت مسلمہ کی خصوصیت

رسول اللہ ﷺ کے دنیا میں آنے سے پہلے ماضی میں بہت سی امتیں رہی ہیں لیکن اللہ ربّ العزت نے کسی امت اور کسی قوم کو یہ اعزاز نہیں بخشا جو امت محمدیہ ﷺ کو بخشا ہے۔ اس بات کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ روزِ محشر جب تمام لوگ جمع ہوں گے تو کل ایک سو بیس صفیں قائم ہوں گی جن میں سے 80 صفیں امت محمدیہ ﷺ کی ہوں گی اور بقیہ چالیس صفیں دیگر امتوں کی ہوں گی۔

پچھلی امتوں میں افراط تفریط اور امتِ محمدیہ کی فضیلت

پچھلی جتنی امتیں گزری ہیں ان میں یہی خرابی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ بات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے یا بہت ہی زیادہ معمولی بنا دیتے تو امت محمدیہ ﷺ کی یہی خصوصیت بتائی کہ یہ باتوں کے اعتدال کو جانتی ہے اور دین و شریعت کے مزاج کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا اس امت کو آتا ہے اسی وجہ سے اس امت کو آخری اور سب سے زیادہ فضیلت والی امت قرار دیا جا رہا ہے۔

فضیلت و انعام کا یہ سلسلہ اللہ ربّ العزت نے بنی اسرائیل کو بھی عطا فرمایا لیکن انہوں نے افراط و تفریط سے کام لیا اور بالآخر بہت سی خرافات میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ سیدنا عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے کر توحید تک کا انکار کر دیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا مان لیا تو ایک طرف یہ غلطی کر رہے ہیں کہ نبیوں کو خدا کا مقام دے رہے ہیں اور دوسری طرف معجزات کا انکار

کر رہے ہیں گویا ان میں درمیانہ پن نہیں رہا کہ ایک طرف اتنا اونچا مقام دے رہے ہیں کہ بات کو آسمان تک پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف نبی ان کے سامنے معجزات دکھاتے ہیں تو وہ انکار کر لیتے ہیں۔

یہی بات اگر صحابہ میں دیکھی جائے تو ان کا مزاج اعتدال سے بھرپور نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ کے ایک اشارے پر ہر صحابی اپنی جان و مال قربان کرنے کو تیار ہے لیکن کبھی یہ نہیں کہتا کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ خدا کا درجہ دوں گا بلکہ کہتا یہی ہے کہ

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں"

آپ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اعتدال کی تربیت دینا

"عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أُخبروا كَأَنَّهُمْ تقالوها فَقَالُوا وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَحدهم أما أنا فإني أُصَلِّي اللَّيْلَ أبدا وَقَالَ آخر أنا أصوم الدَّهْرَ وَلَا أفطر وَقَالَ آخر أنا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: «أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مني" (مشکوٰۃ:145)

"حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں، تین اشخاص نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے کے لیے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے، جب انہیں اس کے متعلق بتایا گیا، تو گویا انہوں نے اسے کم محسوس کیا، چنانچہ انہوں نے کہا: ہماری نبی ﷺ سے کیا نسبت؟ اللہ نے تو ان کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرما دی ہیں، ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے اجتناب کروں گا اور میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ نبی ﷺ ان کے پاس آئے اور پوچھا: تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح، اس طرح کہا ہے، اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، رات کو نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں" (مشکوٰۃ: 145)

بہت ہی خوب صورت اور تسلی بخش انداز میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے توسط سے امت کو اعتدال کا پیغام دیا اور اپنی مثال دے کر بیان فرمایا تاکہ اس پر عمل کرنا، مشاہدہ کرنا، سیکھنا آسان ہو جائے اور ایک حتمی نکتہ یوں بیان فرمایا کہ یہی میرا طریقہ ہے یہی شریعت ہے اور اسی

معتدل انداز میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے باقی جو یہود و نصاری کی طرح افراط تفریط کا شکار ہوگا اس کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس امت کی پہچان ہی اعتدال ہے۔

شریعت کا منہج ومزاج

شریعت یہ نہیں بتاتی کہ زندگی میں بیک وقت دین رہے گا یا دنیا رہے گی، یہ نہیں کہ اگر میں عبادت میں مگن رہا تو کسی سے تعلق نہیں رکھوں گا، نہ یہ کہ میں مکمل بازار سے چمٹ جاؤں یا پھر مسجد سے۔ بلکہ شریعت بتاتی ہے کہ تم نے دین دنیا کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا ہے۔ تم نے تجارت بھی کرنی ہے اور عبادت کے فرائض بھی انجام دینے ہیں، تم نے اللہ کے حقوق بھی ادا کرنے ہیں اور اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ادا کرنے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ تم اللہ کے حقوق ادا کرنے میں بندوں کے حقوق سے غافل ہو جاؤ اور نہ ایسا کہ بندوں کی خدمت میں ایسے لگے رہو کہ خدا کی بندگی ہی بھول جاؤ۔

البتہ شریعت فرق سمجھا دیتی ہے کہ تم مال کے لیے محنت ضرور کرو لیکن اسے اپنی ضرورت سمجھو اپنا مقصد مت سمجھو ورنہ تم "حب مال" کی بیماری کا شکار ہو جاؤ گے۔ اسی طرح دنیاداری کرو لیکن دنیا کے لیے اتنی ہی کوشش کرو جتنا تمہیں یہاں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنی کوشش کرو جتنا تمہیں وہاں رہنا ہے اگر تم دنیا کی مختصر سی زندگی کے لیے آخرت والی محنت کرنا شروع کرو گے تو تم "حب دنیا" کی بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے جسے رسول اللہ ﷺ تمام خرابیوں کی جڑ والی بیماری قرار دیتے ہیں۔

عقائد میں اعتدال کی تعلیم

ایک مسلمان کچھ اہم باتوں پر ایمان لے آتا ہے لیکن اسے یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ عقائد میں تمام عقائد ایک برابر نہیں بلکہ ان میں ایک ترتیب قائم ہے مثلا توحید کو عقائد میں سب سے پہلا درجہ حاصل ہے اور رسالت کو دوسرا، اب اگر کوئی عقیدہ رسالت پر اتنا زور دینے لگ جائے کہ اسے توحید سے بھی زیادہ اہم ثابت کرے تو یہ اعتدال کی پٹڑی سے ہٹ جانے والی بات ہے۔

اسی طرح عقائد میں اعتدال نہ ہونے کی ایک بڑی شکل یہ ہے کہ عقیدہ توحید کو اس درجہ شدت سے بیان کیا جائے کہ امت کے ہر دوسرے فرد کو مشرک سمجھنے لگے۔ توحید پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہر گز درست نہیں کہ اولیاء اللہ کی گستاخی کی جائے، ان کی کرامات کا انکار کیا جائے اور توحید کو سمجھانے کے بہانے اہل اللہ پر مزاحیہ جملے کسے جائیں معاذ اللہ! یہ توحید کے بیان کرنے کا طریقہ ہے نہ ہی دعوتی حکمت عملی کے موافق ہے۔

بے شک توحید دین کا مرکزی ستون ہے اور شرک سب سے گناہ عظیم بلکہ ظلم عظیم ہے لیکن اس کی آڑ میں اسی توحید کے داعی صوفیاء اور اولیاء کی کردار کشی کرتے ہوئے سستے بازاری جملوں کا استعمال ان بزرگوں کے بالکل بھی شایان شان نہیں۔ یہ سب کے سب توحید کے حوالے سے اعتدال سے ہٹ جانے والے رویے ہیں۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق پیدا ہو جانا ایک بہت لازمی امر ہے اور اس کے بغیر دین کے بہت سے پہلو ادھورے رہ جاتے ہیں لیکن اپنے سوا ہر ایک کو گستاخ قرار دینا اور محبت و عقیدت کو اپنا ٹھیکہ سمجھ لینا غلط بات ہے۔ اسی طرح عقیدت کی آڑ میں اولیاء کو صحابہ سے بلند مرتبہ دینا یا انبیاء کو خدا کا مرتبہ دینا اور پھر عقیدت کی اوڑھنی اوڑھ کر شرک، بدعت کے دھندوں میں لگ جانا، اسلاف کے مدفن بیچ کھانا اور یہ سب عاشق رسول کا لیبل لگا کر کرنا جس پر اضافہ یہ کہ اس عقیدت کے سہارے خود کو توحید نماز روزہ حج جیسی بنیادی عبادات سے بری سمجھنا یہ سوچ کر کہ یہی عقیدت میری نجات کے لیے کافی ہے یہ جہالت کی انتہاء ہے جو کہ امت مسلمہ کی اعتدال والی خصوصیت کے یکسر خلاف ہے۔

اس میں اعتدال کا طریقہ یہ ہے کہ توحید پر ایمان رکھے لیکن بزرگان دین کے مقام کو بھی سمجھے، رسالت پر ایمان رکھے لیکن عقیدت و محبت کا درست استعمال بھی سیکھے۔

تحریکات میں اعتدال کی ضرورت

اعتدال کا جنازہ نکالنے میں مختلف دینی تحریکات کے ناسمجھ کارکن بھی پیش پیش رہتے ہیں اور ہر ایک کی یہ چاہت ہوتی ہے کہ دین کا کام اسی طرز پر کرنے کی ضرورت ہے جس طرز پر ہماری تحریک کارفرما ہے حالانکہ یہ بات ہم بخوبی جانتے ہیں کہ دین کے مختلف شعبہ جات ہیں اور تمام شعبہ جات کو ایک ساتھ کرنے کی خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حاصل تھی جو تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفس کی صورت میں قرآن آپ کے اوصاف و مناصب کے ضمن میں بیان کرتا ہے۔

باقی آپ کے دنیا سے جاتے ہی امت کے پہلے طبقے یعنی صحابہ کی جماعت میں ہی یہ سارے کام خوب صورت انداز میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ٹھیک یہی ترتیب امت کے موجودہ طبقے میں پائی جاتی ہے جو کہ سیاست، تعلیم و تعلم، سلوک و تصوف، دعوت و تبلیغ، تحقیق تصنیف و تالیف، جہاد و اعلائے کلمۃ اللہ وغیرہ کی صورت میں امت کر رہی ہے ان میں سے کسی ایک کام کو ناگزیر سمجھنا اور باقی سب کو بے کار یا کم اہمیت کا حامل سمجھنا یا پھر ہر ایک سے اپنی تحریک کے نظم کا تقاضہ کرنا یہ سب کے سب بے اعتدالی کے رویے ہیں اور ان سب کو اعتدال پر لانے کی یہی ایک صورت ہے کہ امت کے کسی ایک شعبے پر لگ کر محنت کی جائے اور بقیہ شعبوں کو اپنا حریف اور مخالف سمجھنے کی بجائے ان کا رفیق بنا

جائے۔ ضروری نہیں کہ رفیق بن کو اپنے آپ کو گھماتا پھرے کبھی کس کے ساتھ تو کبھی کس کے البتہ کسی ایک سستھ شعبے میں یکسوئی کے ساتھ جڑ جائے اور بقیہ شعبہ جات کی مخالفت نہ کرے۔

دین و دنیا میں اعتدال کی تعلیم

جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے،

"وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ: «أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» قَالَ: نَعَمْ قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ: «فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا" (مشکوٰۃ:3817)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں (کی خدمت) میں مجاہدہ (انتہائی کوشش) کر۔''

ایک دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے والدین کے پاس چلا جا اور ان سے اچھی طرح سلوک کر" (مشکوٰۃ:3817)

معلوم ہوا کہ جہاد تو بہت ہی عظیم عمل ہے لیکن اس صحابی کے لیے اس وقت اس کے والدین کی خدمت کرنا زیادہ عظیم عمل تھا تو آپ نے ان کو والدین کے ہاں جا کر ان کی خدمت میں لگے رہنے کا حکم دیا اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے اس فیصلے سے گویا شریعت کا یہ مزاج سمجھایا کہ تمہارے لیے اس موقع پر دین پر عمل کرنے کی بہتر صورت کون سی ہے۔

خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں اعتدال

علماء یہ مسئلہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک ایسا شخص ہے کہ جس کا گھر مسجد حرام کے بالکل قریب ہے اتنا کہ وہ گھر سے نکلے اور مسجد حرام میں پہنچ جائے لیکن اس کے گھر میں اس کی والدہ بیمار ہیں اور انہیں تیمارداری کی ضرورت ہے اور وہ مریضہ ایسی صورتحال کا شکار ہے کہ اگر کوئی اسے چھوڑ کر چلا جائے تو اس کی حالت مزید بگڑ سکتی ہے، ضرورت ہے کہ اس کے پاس کوئی نہ کوئی رہے اور جب اسی دوران عشاء کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو اس کا اکلوتا بیٹا یہ کہے کہ میں جاؤں اور مسجد حرام میں نماز پڑھوں تاکہ مجھے ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کا ثواب ملے تو شریعت اس متعلق رہنمائی کرتی ہے کہ تم ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کا ثواب حاصل مت کرو بلکہ فی الحال تم گھر میں ہی نماز پڑھو اور اپنی ماں کا خیال رکھو، اس موقع پر تمہارے لیے یہ زیادہ بہتر ہے۔

شریعت کی تعلیمات ایسی ہیں جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے درمیان درمیانی راہ دکھلاتی ہے کہ دنیا کے ایسے بھی نہ بنو کہ دین کو بالکل اپنی زندگی سے ہی نکال دو اور ایسے بھی نہ بنو کہ دنیا ہی کو اپنے دل میں بسا بیٹھو، کیونکہ تمہاری سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ تم امتِ معتدل اور امت وسط ہو اور درمیانے پن کے ساتھ رہنا جانتے ہو اور تمہیں اعتدال اور انصاف کرنا آتا ہے۔

انصاف اور اعتدال

ایک موقع پر کسی قبیلے کے جنگ وجدل کا معاملہ پیش آیا آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نَصَرْتُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَكُفُّهُ عَنِ الظُّلْمِ فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ" (جامع ترمذی: 2255)

"اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"، صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے مظلوم ہونے کی صورت میں تو اس کی مدد کی لیکن ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا: "اسے ظلم سے باز رکھو، اس کے لیے یہی تمہاری مدد ہے" (جامع ترمذی: 2255)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو اب صحابہ تو سوال کرنے والے تھے انہوں نے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ آتا ہے کہ اسے ظلم سے بچانا لیکن ظالم کی مدد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکنا یہی اس کی مدد ہے تاکہ اسے مزید ظلم کرنے سے روک لیا جائے یعنی اگر تمہارا مسلمان بھائی ظلم کر رہا ہے تو تمہیں اس کا بھی ساتھ دینا ہے اور ظلم سے روکنا ہے اور اگر تمہارا بھائی ظلم کا شکار ہے اور مظلوم ہے تو اس کی بھی تمہیں مدد کرنی ہے اور اسے ظلم سے بچانا ہے، شریعت نے دونوں کے متعلق احکامات سمجھا دیے کہ تم نے یہاں کون سا رویہ اپنانا ہے اور وہاں کیا رویہ اپنانا ہے۔

مال کمانے کے متعلق اعتدال

اگر کوئی کہے کہ میں کماتا ہی نہیں کیونکہ کمانا دنیاداری ہے اور میں دیندار بننا چاہتا ہوں فرمایا کہ یہ غلط رویہ ہے کیونکہ حلال کمائی بھی دینی فرائض میں شامل ہے کتنی ہی ایسی عبادات ہیں جو مال خرچ کر کے ادا کی جاتی ہیں جیسے زکوۃ، صدقہ، فطرہ، قربانی، حج، صلہ رحمی وغیرہ۔ اسی طرح اگر کوئی مال کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالے اور اس پر کمانے جمع کرنے کی دھن سوار ہو جائے تو شریعت رہنمائی کرتی ہے کہ یہ بھی غلط طریقہ ہے کیونکہ مال کو اللہ نے انسان کی خدمت وضرورت کے لیے پیدا کیا ہے اپنے آپ کو اس پر کھپانے کے لیے پیدا نہیں کیا، لہذا تم مال

کماؤ مگر اپنے مقصد کے لیے نہیں بلکہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے جب تمہاری ضرورت پوری ہو جائے تو تم مزید مال کو اپنا مقصد مت بناؤ۔

مال خرچ کرنے کے متعلق اعتدال

اسی طرح جب مال خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو کوئی اپنے مال کو بے تحاشہ خرچ کرتا ہے تو شریعت منع کرتی ہے کہ تم فضول خرچی اور اسراف سے بچو اور اگر کوئی اپنے مال کو خرچ ہی نہیں کرتا تو شریعت یہ کہتی ہے کہ تم کنجوسی سے بھی بچو جیسے اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا"

"اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ ان کا طریقہ اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔"(الفرقان:67)

یعنی اللہ کریم ہمیں یہ بتلا رہے ہیں کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو اعتدال اور میانہ روی پر قائم ہیں اور خرچ کرنے میں اعتدال پر قائم و دائم ہیں، افراط اور تفریط سے بچے ہوئے ہیں، کیونکہ جب فضول خرچی کرے گا تو پھر گناہ اور عیاشی میں مبتلا ہو جائے گا اور بہت سی غیر ضروری چیزوں کو ضروری سمجھ کر خریدنے کا بوجھ اٹھائے گا اور اگر کنجوسی کرے گا تو زکوۃ، قربانی، حج، صدقہ خیرات، صلہ رحمی، اہل و عیال کے حقوق وغیرہ کیسے ادا کرے گا؟ اسی لیے شریعت نے اعتدال کی راہ دکھلائی کہ تمہیں انفاق بھی کرنا ہے اور اسراف سے بھی بچنا ہے۔

نوافل اور فرائض کے درمیان اعتدال:

فرائض وہ ہیں جو کسی حال میں معاف نہیں جبکہ نوافل کہتے ہی ہیں اس عبادت کو جو لازم نہیں بلکہ اضافی اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس حوالے سے بھی بہت افراط تفریط پائی جاتی ہے کہ ہم نوافل کو تو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ جتنا فرائض کو نہیں دیتے جیسے فضیلت والی راتیں آجاتی ہیں تو ان میں ساری رات عبادت کی جاتی ہے لیکن جب فجر کی فرض نماز ادا کرنے کا وقت آجاتا ہے تو یہی نفلی عبادت کرنے والے سب سو جاتے ہیں اس صورت میں نفلی عبادت کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے جس سے متعلق کوئی باز پرس نہیں ہو گی لیکن فرض کو چھوڑا جا رہا ہے حالانکہ پہلا سوال ہی قیامت کے دن فرض نماز سے متعلق ہو گا۔

اسی طرح قربانی کے موقع پر ہم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں وہ یکم ذی الحجہ سے قربانی تک اپنے ناخن اور جسم کے اضافی بالوں کو صاف نہیں کرتے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک مستحب عمل ہے جس کا مطلب جو یہ عمل کرے گا اسے ثواب ملے گا اور جو نہیں کرے گا اسے کوئی گناہ نہیں ملے گا لیکن حیرت ہے کہ ایک شخص دس دن تک یہ نفلی کام کرتا رہتا ہے ایک ایسا کام جو ثواب کا کام ہے اگر نہیں کرے گا تو اسے گناہ بھی نہیں ملے گا لیکن جیسے ہی وہ قربانی کرتا ہے تو اپنی داڑھی کے بال بھی صاف کر دیتا ہے حالانکہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ اگر میں ان دس دنوں وہ بال کاٹ لیتا تو مجھے کوئی گناہ نہ ملتا لیکن داڑھی کاٹنا گناہِ کبیرہ ہے مکروہِ تحریمی ہے۔ ایک طرف نفلی عبادت کی فکر ہے اور دوسری طرف حرام کی بھی فکر نہیں تو یہ افراط تفریط والی بات ہے حد سے بڑھ جانا اور نوافل کو اتنی اہمیت دینا جو فرائض کو بھی نہیں دی جارہی اور مستحب کو جیسے تیسے کرنا لیکن حرام کے معاملے میں کوئی فکر نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا مزاج نہیں سمجھا گیا اور دین کی جو حکمت والی درمیانی تعلیم ہے اس کو نہیں سمجھا گیا۔

قبور سے متعلق اعتدال

قبروں سے متعلق ہم افراط تفریط کی دو انتہاؤں پر کھڑے ہوئے ہیں جبکہ شریعت یہاں بھی اعتدال ہی سکھاتی ہے مثلاً میت کو غسل دیتے وقت اعضاء کا خیال رکھو، زیادہ ٹھنڈا اور زیادہ گرم پانی کے بجائے نیم گرم پانی کا استعمال کرو، تدفین کے وقت اعزاز سے رکھو، جنازہ پڑھو، کندھا دو اور جب دفن کر لو تو قبر پر قدم مت رکھو، قبر کو اپنی نشست گاہ مت بناؤ، قبر کو مسمار مت کرو مت یہ سب تمہارے اس مرحوم کے لیے احترام کی ایک معتدل شکل ہے۔

اسی طرح شریعت یہ بھی بتلاتی ہے کہ جو حد سے بڑھ جانے والے کام ہیں وہ بھی نہ کرو قبر کی پختہ تعمیر مت کرو، مزار مت بناؤ، چراغ مت جلاؤ، قبر کا طواف نہ کرو نہ ہی اسے سجدہ گاہ بناؤ نہ صاحب قبر سے دعا مانگو وغیرہ گویا دونوں چیزیں ساتھ ساتھ سمجھا دیں کہ تم حد سے بڑھنے کی کوشش بھی مت کرو اور حد سے گرنے کی کوشش بھی مت کرو۔

شادی بیاہ کے موقع پر اعتدال

ہماری شادی بیاہ کی جو رسومات ہیں عام طور پر ان کے متعلق علماء یہ فرماتے ہیں کے شادی شریعت کے مطابق کرو تو ہمارے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ شریعت کے مطابق شادی شاید سوگ منانے جیسا عمل ہے، اگر شادی شریعت کے مطابق ہو گی تو سوگ والا ماحول ہو گا، تسبیح پڑھنی ہو گی، قرآن خوانی یا آیت کریمہ کا ختم کرنا ہو گا اور پھر ایسا لگے گا کہ خوشی کا ماحول ہی نہیں ہے جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے شادی ایک خوشی کا موقع ہے اور اسے خوشی خوشی ہی منانا چاہیے اور خوشی منانے کا جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے اس سے منع نہیں کیا جارہا لیکن چند شرائط

بتائی جارہی ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے مثلاً بے پردگی نہ ہو، ڈول باجے نہ ہوں، ہندوانہ رسم ورواج نہ ہوں باقی ان شرائط کے ساتھ جیسے چاہو اپنی خوشی منالو یہاں تک کہ آپ علیہ السلام خود اس کی ترغیب دے رہے ہیں کہ نکاح کی تقریب کا بھرے مجمع میں اہتمام کرو، مسجد میں نکاح کرو، ولیمہ کرکے سب کو اپنی خوشی میں شریک کرو وغیرہ وغیرہ۔

آپس کے تعلقات میں اعتدال

اکثر ہمارے آپس کے تعلقات میں بھی افراط تفریط کی جھلک دکھائی دیتی ہے کسی سے اگر تعلق بنانا ہے تو ایسا تعلق قائم کریں گے کہ اس پر جان بھی نثار کریں گے ہر وقت اسی کے ساتھ بیٹھک لگائیں گے، گپ شپ لگی رہے گی، وقت بے وقت یار کو ڈھونڈتے رہیں گے، کہیں آنا جانا، تقریبات میں شرکت کرنا، یہاں تک کہ لین دین بھی اسی کے ساتھ کرنے کا سوچیں گے لیکن ایک اختلاف سے یہ گہری دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارہ نہیں ہوتا۔

یہ ہمارے تعلقات میں پائی جانے والی بڑی عام بے اعتدالی ہے جو ہم کرتے رہتے ہیں۔

اب شریعت یہ نہیں کہتی کہ ہم ہر ایک سے دوستیاں کرتے پھریں اور ہر ایک کو اپنے سر کا تاج بنالیں اور ہر ایک سے لین دین شروع کردیں بلکہ عام مسلمانوں کے حوالے سے جو روش اپنانی چاہیے اس کے متعلق فرمایا کہ ایک مسلمان کی مال جان عزت وآبرو کی تم حفاظت کرو، اس کے ساتھ سلام علیک رکھو، ضرورت پڑنے پر اس کی مدد کرو بس اتنا ہی کافی ہے۔

باقی کسی سے ایسی دوستی کرنا کہ اس کے غلط کو بھی صحیح قرار دینا اور کسی سے ایسی نفرت کرنا کہ اس کی ساری اچھائیاں نظر انداز کرنا دونوں رویے غلط ہیں۔ گر ہم کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اس میں خوبی بھی ہو سکتی ہے اور خامی بھی تو ہم اس کی خوبی پر نظر رکھیں اور اس کی خامی کو نظر انداز کریں۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے تعلقات میں بھی اعتدال کا لحاظ رکھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک اختلاف کی وجہ سے ہم تعلق کو دشمنی میں بدل دیں یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔ مثلاً کسی سے پوچھا جائے کہ "آپ کا رابطہ نہیں آج کل فلاں شخص سے خیریت؟" جواب آئے کہ اس نے مجھ سے ایک مرتبہ ایسی بات کردی تھی کہ میرا بس دل ہی ٹوٹ گیا اب یہ بھی ختم، یہ بھی ختم اور یہ بھی ختم یہ غلط طریقہ ہے۔

مزاج کا اعتدال

کوئی اپنے مزاج میں اتنی زیادہ بہادری رکھتا ہے کہ وہ ظالم بن جاتا ہے تو شریعت اس رویے کی مذمت کرتی ہے اور اگر کوئی اپنے مزاج میں اتنا ڈیلا پن لاتا ہے کہ بالکل بزدل ہی بن جاتا ہے تو شریعت اس بزدلی کی بھی ممانعت کرتی ہے اور تاکید کرتی ہے کہ تم اپنے اندر شجاعت پیدا کرو اگر تم بزدل بنے رہو گے تو جہاد کیسے کرو گے، صبر آزما حالات کا مقابلہ کیسے کرو گے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس قدر احساس کمتری کا شکار ہے کہ وہ ناشکری میں مبتلا ہونے لگتا ہے تو شریعت کہتی ہے کہ یہ ناشکری تمہیں اللہ کی رحمت سے مایوس کر سکتی ہے اور کفر کے کنویں میں دھکیل سکتی ہے اور کوئی بہت زیادہ احساس برتری کا شکار ہے جس سے گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا ہو رہا ہے تو شریعت اس رویے کی بھی روک تھام کرتی ہے کہ تم اپنے اندر تواضع اور عاجزی پیدا کرو خود کو بہت گھٹیا بھی مت سمجھو اور خود کو بہت اعلی بھی مت سمجھو اپنے اندر عاجزی کی روش پیدا کر کے اعتدال پر قائم رہو۔

عقل اور جذبات میں میانہ روی

اسی طریقے سے انسان میں عقل اور جذبات کے بڑے شدید مادے پائے جاتے ہیں جو کہ اکثر اوقات انسان کو اعتدال پر قائم رہنے نہیں دیتے اسی آیت کی روشنی میں یہ اہم اصول سمجھنے کو ملتا ہے کہ تم امت وسط ہو، تم دین کا مزاج اور دین کی جو اصل بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اپنے جذبات اور عقل کو بیچ میں مت لاؤ چونکہ انسان ایسا ہے کہ کبھی وہ جذبات میں آکر غلط فیصلہ کرتا ہے، اور کبھی اپنی عقل کے خود ساختہ پھندے میں پھنس کر ناقص فیصلہ کر سکتا ہے، نفسانی خواہشات کا شکار ہو سکتا ہے۔

اس لیے اس امت کو سمجھایا کہ تم فیصلے اپنی طبیعت کے مطابق مت کرو بلکہ جیسے شریعت رہنمائی کرے ویسے فیصلے کرو چاہے تمہاری عقل میں آئے یا نہ آئے، چاہے تمہارا دل مانے یا نہ مانے، چاہے تمہاری طبیعت کے مطابق ہو یا نہ ہو، عین ممکن ہے کہ تمہاری طبیعت میں افراط تفریط پائی جاتی ہو یا تمہاری عقل اونچ نیچ کا شکار ہو اور اس طرح تمہاری خواہش کے چکر میں معاملہ بگڑ جائے۔ لیکن جب تم اپنے آپ کو عقلی نفسانی خواہشات سمیت شریعت کے حوالے کرو گے تو شریعت تمہیں نہ حد سے زیادہ آگے بڑھنے دے گی نہ حد سے گرنے دے گی کیونکہ شریعت میں اعتدال پایا جاتا ہے بالآخر نتیجہ بھی اعتدال والا سامنے آئے گا۔

خلاصہ

اللہ ربّ العزت نے امت محمدیہ کی جو خصوصیت اس آیت میں بیان کی کہ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور اسی طریقے سے ایک بہت بڑی نعمت ہم نے تمہیں یہ دی کہ ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنا دیا"

لہذا ہمارے ہر عمل میں اعتدال پیدا کی ضرورت ہے عقیدے میں بھی، عبادت میں بھی، حقوق کی ادائگی میں بھی، خرچ میں بھی، سیاست میں بھی، نیکیوں میں بھی، آپس کے تعلقات میں بھی اور ہمارے مزاج اور اہم فیصلوں میں بھی اعتدال ہونا چاہیے تاکہ ہم امت مسلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

رحمتوں اور برکتوں کا موسم بہار
رجب، شعبان اور رمضان
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا مانگتے:
اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ
"اے اللہ! رجب اور شعبان میں ہم پر برکت نازل فرما اور ہمیں رمضان کا مہینہ نصیب فرما۔"
[أحمد: 2346، البزار: 6496، المعجم الأوسط للطبراني: 3939، عمل اليوم والليلة لابن السني: 659، شعب الإيمان: 3815]

مشن نبی کریم ﷺ

محمد داؤد الرحمن علی

سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ شب و روز کی گردش میں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی حوالے سے جاری رہتا ہے۔ یہ تذکرہ صرف کسی خاص مہینے یا دن کا پابند نہیں بلکہ ہر وقت، ہر مقام اور ہر ماحول میں جاری رہتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیمات قیامت تک کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔

"وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين"

"اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا"۔ (سورۃ الانبیاء، آیت 107)

جب نبی اکرم ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت مخصوص افراد تک محدود رکھی۔ مگر صرف تئیس (23) سال کے قلیل عرصے میں آپ ﷺ نے پورے جزیرۃ العرب کو توحید، عدل اور اخلاق کی بنیاد پر قائم ایک مہذب معاشرہ بنا دیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر، جب تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہؓ کے مجمع میں آپ ﷺ نے اپنے مشن کی تکمیل کا اعلان کیا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر نازل فرما کر گویا آپ ﷺ کو کامیابی کی سند عطا فرما دی۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا"

"اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا"۔ (سورۃ النصر، آیت 3)

نبی اکرم ﷺ کے مشن کا خلاصہ خطبۂ حجۃ الوداع میں بہت وضاحت سے موجود ہے، جس میں آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق بنیادی اصول بیان فرما دیے۔ اگرچہ یہ خطبہ مکمل شکل میں کسی ایک روایت میں موجود نہیں، مگر مختلف صحابہ کرامؓ نے اس کے حصے حصے

روایت کیے، جن سے نبی ﷺ کے مشن کی جامع تصویر سامنے آتی ہے۔(صحیح بخاری، حدیث: 1623–1626/ مسلم، کتاب الحج، حدیث: 1218)

درج ذیل آپ کے سامنے نبی کریم ﷺ کے اس خطبہ مبارک میں اہم نکات تحریر کیے جارہے ہیں جو کہ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

1۔ توحید اور مساوات کا قیام:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"تمہارا رب ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنیاد پر"۔
(مسند احمد، حدیث: 23489/ الجامع الصغیر، سیوطی: حدیث صحیح)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس بات کی تائید فرماتے ہیں۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۫ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ"

"اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، کیوں کہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی سے غیبت کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے"۔(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

اگر ہم اللہ کے فرمان اور آپ ﷺ کے اس پیغام پر غور کریں تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ اسلام دراصل انسانیت کو ہر قسم کے نسلی و طبقاتی تعصبات سے آزاد کرتا ہے اور صرف تقویٰ کو برتری کا معیار قرار دیتا ہے۔

2۔ جاہلیت اور سود کا خاتمہ:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جاہلیت کے تمام خون اور سود میرے قدموں تلے روند دیے گئے ہیں"۔(صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث: 1218)

سود کے بارے میں قرآن کریم میں بھی حرمت نازل ہوئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰا"

"اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے"۔(سورۃ البقرۃ، آیت 275)

یہ اعلان دراصل معاشی انصاف اور معاشرتی عدل کی بنیاد تھا۔ سود جیسے استحصالی نظام کو ختم کر کے نبی ﷺ نے ایک عادلانہ معیشت کی طرف رہنمائی فرمائی۔

3۔ مساوات، عدل اور انفرادی ذمہ داری

آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ کوئی باپ بیٹے کے جرم میں پکڑا جائے گا، نہ بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار ہوگا"۔(سنن ابن ماجہ، حدیث: 2537)

یہ پیغام ایک مہذب معاشرے کی بنیاد ہے، جہاں قانون سب کے لیے برابر ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

4۔ جان، مال اور عزت کی حرمت:

آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں، جیسے یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث: 1739)

یہ اعلان انسانی حقوق کی وہ بنیاد ہے جس پر دنیا کے جدید قوانین بھی قائم ہیں۔ اسلام نے سب سے پہلے فرد کی جان، مال اور عزت کو تحفظ دیا۔

5۔ عبادات اور روحانی تربیت:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نماز قائم کرو، رمضان کے روزے رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، حج کرو اور اپنے حکام کی اطاعت کرو"۔(صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: 16)

یہ پانچ ستون نبی ﷺ کے مشن کی روحانی بنیاد ہیں، جو فرد اور معاشرے کو اللہ سے جوڑتے ہیں۔

6۔ علم اور سنت پر عمل:

نبی ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت"۔(موطا امام مالک، حدیث: 1594/ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث: 1218)

علمِ دین اور سنتِ نبوی ﷺ پر عمل نبی ﷺ کے مشن کا مرکز تھا اور یہی قیامت تک امت کی بقاء کی ضمانت ہے۔

7۔ عورتوں اور غلاموں کے حقوق:

آپ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور غلاموں سے حسن سلوک کرو، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ"۔ (سنن ترمذی، حدیث: 1163/ مسند احمد، حدیث: 19774)

نبی ﷺ نے عورتوں کو وراثت، نکاح اور معاشرتی مقام دیا اور غلاموں کو انسان سمجھ کر ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا، یہ اس وقت کے معاشرے میں ایک انقلابی قدم تھا۔

نبی کریم ﷺ کا مشن ایک جامع، عالمگیر اور ہمہ گیر مشن تھا جس کا مقصد توحید کا قیام، اخلاق کی تکمیل، ظلم کا خاتمہ، انسانی حقوق کا تحفظ، عورتوں اور غلاموں کی عزت، عدل و مساوات کا نفاذ اور روحانی و اجتماعی تربیت تھا۔

یہ مشن صرف 23 سال میں مکمل ہوا اور آپ ﷺ نے دنیا کو ایسا انقلابی پیغام دیا جو قیامت تک کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس مشن کو نہ صرف سمجھیں بلکہ اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔

اللہ پاک قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں:

"لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔ (الأحزاب: 21)

آیئے اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ سے ایک عہد کیجئے کہ آج کے بعد ہم زندگی اپنے نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے مطابق گزاریں گے۔ اگر آج ہم نے سیرت طیبہ کو اپنا لیا اور اپنے حبیب ﷺ کے مشن کو اپنا لیا ہماری زندگی بھی بن جائے گی اور آخرت بھی۔

اللہ پاک ہم سب کو نبی کریم ﷺ کے مشن کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

حلال رزق کی برکات

محمد حفص فاروقی

ایک مرتبہ حضرت امام شافعیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو خط لکھا کہ بہت عرصہ ہوا آپ تشریف نہیں لائے، آپ سے ملاقات کو جی چاہتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ استاد ہیں اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ ان کے شاگرد ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا قیام مصر میں تھا، اس لئے وہاں شوافع زیادہ ہیں۔ جواب میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فوراً اپنا پروگرام لکھ کر بھیج دیا کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو آپ کی خدمت میں مصر میں حاضر ہو رہا ہوں۔ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے گھر والوں کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو، دوست احباب اور دوسرے علماء کو ان کے آنے کی اطلاع دی، پھر ان کی دعوت اور استقبال کا خصوصی اہتمام کیا، اور لوگوں سے بتایا کہ اگرچہ وہ میرے شاگرد ہیں مگر وہ ایک بڑے امام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ جس دن ان کو پہنچنا تھا، اس دن امام شافعی اپنے شاگردوں اور دوسرے علماء کو لے کر ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت مصر کے بادشاہ بھی حضرت امام شافعیؒ کے معتقد تھے، وہ بھی امام صاحب کے ساتھ استقبال کے لئے چلے آئے، اور پھر بادشاہ کے ساتھ ان کے ارکانِ دولت، وزراء اور امراء بھی آگئے۔ وقتِ مقررہ پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ پہنچ گئے۔ حضرت امام شافعیؒ نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا اور عزت و احترام کے ساتھ انہیں لے کر گھر چلے گئے اور بہترین کھانے کا انتظام کیا۔

اس زمانے میں عام طور پر اولیاءاللہ اور بزرگوں کی شان یہ تھی کہ وہ کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت امام احمد بن حنبل کھانا کھانے بیٹھے تو دیر تک اس طرح کھاتے رہے جیسے کئی روز سے بھوکے ہیں۔ باقی لوگ کھانا کھا کر اٹھ گئے مگر وہ کھاتے رہے۔ لوگ بہت متعجب ہوئے کہ حضرت امام شافعیؒ نے تو ان کی تعریف کی تھی کہ یہ بڑے اللہ والے اور بزرگ انسان ہیں، مگر یہ تو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھا رہے ہیں۔ لوگوں اور گھر والوں میں ان کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔

پھر جس کمرے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے لئے رات کے آرام کا انتظام کیا گیا تھا، اس میں حضرت امام شافعیؒ کی بچیوں نے مصلیٰ بچھا دیا، مسواک رکھ دی، استنجا کے لئے ڈھیلے اور پانی رکھ دیا، اور وضو کے لئے لوٹا بھر کر رکھ دیا تاکہ جب وہ تہجد کے لئے اٹھیں تو انہیں کسی پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ اُس زمانے میں تہجد کے لئے اٹھنا عام معمول تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے زمانے کے افسوسناک ماحول سے بچائے کہ آج صبح آٹھ بجے اور نو بجے اٹھنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ اُس زمانے میں عام لوگ بھی تہجد پڑھا کرتے تھے اور قائم اللیل ہوا کرتے تھے، علماء و صلحاء تو بدرجۂ اولیٰ تہجد پڑھتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے رات اس کمرے میں آرام کیا اور صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھنے چلے گئے۔ جب وہ نماز کے لئے نکلے تو حضرت امام شافعیؒ کی بچیاں کمرے میں آگئیں، دیکھا کہ لوٹا ویسے ہی بھرا ہوا ہے، نہ مسواک استعمال ہوئی، نہ ڈھیلے، نہ وضو کا پانی سب کچھ ویسا ہی رکھا تھا۔ اب ان کے دل میں شبہ ہوا کہ شاید زیادہ کھانے کی وجہ سے تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلی۔ جب فجر کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ واپس تشریف لائے تو گھر والوں نے حضرت امام شافعیؒ سے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا وہ بڑے اللہ والے ہیں مگر کھانا بھی خوب کھایا اور رات بھر کچھ استعمال بھی نہیں کیا، معلوم ہوا تہجد بھی نہیں پڑھی۔

اب حضرت امام شافعیؒ کو بھی تشویش ہوئی۔ انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو تنہائی میں لے جا کر پوچھا کہ اس طرح کی باتیں سننے میں آرہی ہیں... کیا بات ہے؟ آپ پہلے ایسے نہیں تھے؟ کیا یہاں آنے کے بعد آپ کے مزاج میں تبدیلی آگئی ہے؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ حضرت! میرے بارے میں جو باتیں ہو رہی ہیں وہ درست نہیں بلکہ حقیقت کچھ اور ہے۔ جب میں نے کھانے کے دستر خوان پر قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ کھانے کے حلال اور طیب ہونے کی وجہ سے پورا کمرہ نور سے چمک رہا ہے، اور آسمان سے دستر خوان تک انوار کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ شاید اس سے زیادہ حلال و طیب کھانا مجھے زندگی میں دوبارہ نہ مل سکے، لہٰذا جتنا زیادہ سے زیادہ کھایا جا سکے، کھا لیا جائے، کیونکہ اس کھانے کا ہر لقمہ ایمان اور دل کو روشن کرنے والا ہے۔ میں نے بس یہی سوچ کر زیادہ سے زیادہ کھانا کھایا، بغیر اس کی پرواہ کئے کہ لوگ کیا سوچیں گے۔

کھانا حلال ہو تو بد ہضمی نہیں ہوتی بلکہ سریع الھضم ہوتا ہے، جزوِ بدن بنتا ہے اور روح کو منور کرتا ہے۔ الحمد للہ! مجھے اس کا اثر محسوس ہوا۔

پھر عشاء کے بعد جب میں آرام کے لئے کمرے میں گیا تو سونے کی طبیعت نہیں چاہ رہی تھی۔ سفر کی تھکن بھی ختم ہو چکی تھی۔ میں لیٹا رہا اور قرآن و حدیث میں غور کرتا رہا یہاں تک کہ پوری رات اسی طرح گزری۔ آج کی رات میں نے قرآن و حدیث سے ایک سو مسائل مستنبط کر لئے ایسے مسائل جو پہلے کبھی ذہن میں نہیں آئے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قرآن و حدیث کے علوم و اسرار میرے سامنے کھلتے چلے جا رہے تھے۔ اسی غور و فکر میں صبح ہو گئی۔ لہٰذا تہجد کے وقت نہ تو لوٹا استعمال کرنا پڑا اور نہ مسواک، اور عشاء کا وضو فجر میں کام آگیا۔ یہ سن کر حضرت امام شافعیؒ نے گھر والوں کو حقیقت بتائی اور فرمایا کہ تم نے ان کی شان میں گستاخی کی ہے، ان سے معافی مانگو، ان کی یہ شان ہے! (بحوالہ: خطباتِ حکیم)

غار والوں کی دعا

عبداللہ رحمت

زندگی کی راہوں میں بعض اوقات ایسے لمحات آجاتے ہیں جب انسان تمام ظاہری وسائل سے محروم ہو جاتا ہے، اور پھر اسے محسوس ہوتا ہے کہ نجات کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ ایسے وقت میں انسان کے سامنے صرف ایک دروازہ کھلا رہ جاتا ہے—اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ۔ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور "غار والوں" کی حکایت اسی حقیقت کی نہایت جامع اور زندہ مثال ہے، جو ہمیں بتاتی ہے کہ خالص نیت سے کیا ہوا عمل کس طرح انسان کے لیے مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ (حوالہ: صحیح بخاری، حدیث 3465)

سفر کے دوران تین افراد بارش سے بچنے کے لیے ایک پہاڑی غار میں پناہ گزین ہوئے۔ اچانک ایک عظیم چٹان پہاڑ سے لڑھک کر غار کے دہانے پر آ گری اور اس قدر مضبوطی سے راستہ بند ہوا کہ ان کے پاس باہر نکلنے کا کوئی ظاہری امکان نہ رہا۔ جب ہر ذریعہ بے کار ہو گیا، تب ان تینوں نے مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی وہ نیکیاں پیش کی جائیں جو انہوں نے خالص اس کی رضا کے لیے کی تھیں، کیونکہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو کسی بھی مشکل کو آسان بنا سکتی ہے۔ (حوالہ: صحیح مسلم، حدیث 2743)

سب سے پہلے شخص نے اپنی نیکی پیش کی۔ وہ والدین کی خدمت کو زندگی کا سب سے بڑا شرف سمجھتا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ایک رات وہ چراگاہ سے دیر سے گھر لوٹا تو والدین سو چکے تھے۔ اس نے دودھ کا برتن ہاتھ میں تھامے پوری رات ان کے سرہانے کھڑے رہ کر انتظار کیا، تاکہ انہیں جگائے بغیر ان کی خدمت کر سکے۔ یہ اخلاص بھری نیکی اس نے اللہ کے حضور پیش کی اور دعا کی کہ اگر یہ عمل اللہ کی رضا کے لیے تھا تو چٹان ہٹ جائے۔ اس کی دعا کے نتیجے میں چٹان تھوڑی سی سرک گئی، مگر خروج کا راستہ ابھی مکمل نہ کھلا۔ (حوالہ: صحیح بخاری، حدیث 5974)

دوسرے شخص نے اپنی ایمان افروز داستان سنائی۔ اسے اپنی چچازاد سے شدید محبت تھی، مگر اس نے ہمیشہ پاکیزگی اختیار کی۔ ایک موقع پر وہ لڑکی شدید محتاجی کے عالم میں اس کے پاس مدد کے لیے آئی۔ اس نے خواہشِ نفس کے تحت غلط شرط رکھی اور وہ مجبوراً راضی ہو گئی۔ مگر جیسے ہی وہ برائی کے قریب ہوا، اس لڑکی نے خوفِ خدا کا حوالہ دیا۔ یہ سن کر وہ فوراً رک گیا، حالانکہ گناہ اس کے بس میں تھا۔ اس نے گناہ چھوڑنے کے اس عظیم عمل کو اللہ کے حضور پیش کیا۔ اس کی دعا سے چٹان مزید سرک گئی، لیکن ابھی بھی غار کا دہانہ پوری طرح نہیں کھلا۔ (حوالہ: صحیح مسلم، حدیث 2743)

تیسرے شخص نے امانت داری کی ایسی مثال پیش کی جو رہتی دنیا تک ایمان والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اس کے پاس ایک مزدور کام کر کے اجرت لیے بغیر چلا گیا۔ اس نے امانت کے طور پر رکھی گئی اُس اجرت کو تجارت میں لگایا اور اللہ نے اسے بہت بڑھا دیا، حتیٰ کہ ایک بڑا جانوروں کا ریوڑ تیار ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد وہ مزدور واپس آیا تو اس نے پوری امانت اسے لوٹا دی، بغیر کسی کمی کے۔ جب اس نے یہ نیکی اللہ کے حضور پیش کی اور دعا کی تو چٹان ہٹ گئی اور تینوں افراد صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ (حوالہ: صحیح بخاری، حدیث 2215)

یہ حکایت ہمیں بتاتی ہے کہ حقیقی نجات اخلاص کے ساتھ کیے گئے اعمال ہی میں پوشیدہ ہے۔ بڑے سے بڑا بحران، مضبوط سے مضبوط رکاوٹ اور تاریک سے تاریک مشکل اس وقت راستہ دے دیتی ہے جب انسان اپنے رب کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے۔ یہ واقعہ اسلام کے اس سنہری اصول کو اجاگر کرتا ہے کہ اعمال کی قدر و قیمت ان کی نیت پر منحصر ہے، اور وہ نیکی جس میں خلوص ہو، انسان کا سب سے بڑا سرمایہ بن جاتی ہے۔ (حوالہ: احیاء علوم الدین، کتاب الاخلاص)